ساتھ جانوروں جیسا برتاؤ کیا جاتا تھا اور اسے کمتر ہستی سمجھا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عورتوں کے حقوق متعین نہیں کئے گئے تھے۔ شوہر کا جب جی چاہتا۔ معمولی سی معمولی بات پر طلاق دے دیتا اور جب جی چاہتا رجوع کر لیتا عورت کی مرد کے نزدیک کوئی وقت نہ تھی۔ مرد ہی کا قانون اور راج چلتا۔ عورت پر ظلم وستم کی اس قدر انتہا کر دی گئی تھی کہ اگر کسی وجہ سے مرد کے تعلقات عورت کے ساتھ بگڑ جاتے تو عورت کو سزا کے طور پر مرد بار ہا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کر لیتا۔ یوں عورت کو معلق رکھتا نہ تو اسے طلاق دے کر آزاد ہونے دیتا اور نہ ہی اسے اپنا کر مکمل طور پر تحفظ فراہم کرتا اور یوں یہ سلسلہ چلتا رہتا۔

مجبور ولاچار عورت ظالم وجابر شوہر سے خلع لینے کا حق نہیں رکھتی تھی اور نہ ہی اس معاشرہ میں عورت کے لئے یہ حق تفویض کیا گیا تھا۔ صحیح معنوں میں عورت کو اس کی اصل پہچان بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے اسلام ہی نے دی اور عورتوں کے تمام حقوق وقوانین متعین کئے۔

لیکن خلع کے حوالے سے محمود شکری آلوسی اپنی کتاب ''بلوغ الارب'' میں کچھ اس انداز سے رقم طراز ہیں کہ ''ابوبکر بن درید نے اپنی امالی میں ذکر کیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا خلع اس طرح ہوا کہ عامر بن الظرب ظاء معجمہ پر زبر، راء کے نیچے زیر پھر (باء) موجدہ۔۔۔۔ نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھتیجے عامر بن الحارث بن الظرب سے کر دی۔ جب وہ اپنے خاوند کے پاس گئی تو اس نے اسے ناپسند کیا۔ خاوند نے اس کے باپ کے پاس اس کی شکایت کی۔ باپ نے کہا: میں تمہارے لئے یہ دونوں باتیں جمع نہ ہونے دوں گا۔ کہ تمہاری بیوی بھی تم سے جدا ہو اور مال بھی۔ میں تم سے اس مال کے عوض جو تو نے اسے دیا ہے۔ اسے علیحدہ کرتا ہوں۔ ابن درید کہتا ہے کہ علماء کا خیال ہے کہ عربوں میں یہ پہلا خلع تھا''۔ (۲)

خلع قرآنِ کریم کی روشنی میں:

خلع کا بیان:

فان خفتم الا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به تلک حدود الله فلا تعتدوها ومن یتعد حدود الله فاولئک هم الظلمون. (۳)

''سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے احکام پر قائم نہ رہ سکیں گے۔ تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دے کر پیچھا چھڑا لے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدیں ہیں۔ سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ پس وہی ظالم ہیں''۔

اس آیت کی تفسیر مختلف انداز میں درج ذیل تفاسیر کی روشنی میں بیان کی جارہی ہے:

''صرف ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں مرد کوئی چیز واپس لینے کا حق دار بن جاتا ہے۔ وہ یہ کہ عورت کو ذاتی

اسباب کی بناء پر ذاتی جذبات اور بمقتضائے طبیعت مرد ناپسند ہو اور عورت یہ محسوس کرتی ہو کہ اس نفرت اور کراہت کی وجہ سے وہ اس خاوند کے ساتھ حدود الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے زندگی بسر نہیں کر سکتی۔ وہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے۔ اس کے ادب کا خیال رکھے یا اس کی عزت و آبرو بچائے اور عفیفانہ زندگی بسر کر سکے۔ تو ایسے حالات میں عورت کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مرد سے طلاق طلب کرے''۔(۴)

مولانا مفتی شفیع مذکورہ بالا آیت کے حوالے سے کچھ اس انداز سے رقم طراز ہیں کہ:

''ایک صورت البتہ حلال ہے۔ وہ یہ کہ کوئی میاں بیوی ایسے ہوں کہ دونوں کو خطرہ ہو کہ وہ حقوق زوجیت اللہ کے قائم کردہ ضابطوں کے مطابق قائم نہ رکھ سکیں گے۔ اگر تم کو (یعنی میاں بیوی کو) یہ خطرہ ہو کہ دونوں ضوابطِ خداوندی کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (اس مال کے لینے دینے میں) جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے۔ (بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو) یہ سب احکام خدائی ضابطے ہیں تم ان سے باہر نہ نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں (کو توڑ کر) باہر نکل جائے۔ تو ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں''۔(۵)

احسن البیان فی تفسیر القرآن میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''اگر میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے۔ اور ان کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ باہمی منافرت اور کدورت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔ تو ایسی صورت میں دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ کے طور پر کچھ مال دے کر اپنے خاوند سے نکاح کا تعلق ختم کرالے۔ اور خاوند مال لے کر اس کو چھوڑ دے۔ بشرطیکہ وہ مہر سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اصل مقصد تو اصلاح احوال اور ازدواجی تعلق کو بہتر بنانا ہے''۔(۶)

غازی احمد اپنی کتاب ''کتاب الطلاق'' میں کچھ اس انداز سے رقم طراز ہیں کہ:

''جب میاں بیوی میں باہم جھگڑا ہو جائے اور دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود قائم نہ رکھ سکیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت کچھ مال دے کر مرد سے گلوخلاصی کرالے اور مرد اس مال کے بدلے اسے خلع دیدے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق فلا جناح علیھما فیما افتدت بہکہ میاں بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں اگر عورت مرد کو کچھ دے کر اپنی گلوخلاصی کرالے''۔(۷)

''اس ضمن میں علمائے فقہ کا اجماع اس پر ہے کہ خلع کی صورت میں عورت یا اس کا وکیل اور مرد معاملہ باہمی سمجھوتے سے طے کریں۔ بہتر تو یہ ہے کہ جو شادی کے وقت اور بعد میں شوہر نے اسے دیا تھا۔ وہی واپس کیا جائے۔ مگر زیادہ لینا بھی ممنوع نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ یہ حدیں اللہ نے مقرر کی ہیں اور ان سے صرف ظالم اور باغی ہی تجاوز کر سکتے ہیں''۔(۸)

''عورت چونکہ محض ذاتی وجوہات کی بناء پر مرد کے جذبات مجروح کرتی ہے اور اس کے خاندان اور گھر کو خراب کر رہی ہے اور اس میں بیچارے مرد کا کوئی ذاتی قصور نہیں ہے۔ اس لئے اس عورت کا فرض ہے کہ وہ مہر واپس کردے۔ یہ محض اس لئے کہ عورت اللہ کی معصیت سے بچے اس کی حدود توڑنے کا مقصد اسے نہ ملے، اور نہ اپنے

نفس پر اور نہ دوسروں پر مصیبت لانے کے مواقع پیدا ہوں'' (۹)

''اگر نفرت عورت کی جانب سے ہو تو یہ مکروہ ہے کہ مرد اس مال سے زیادہ عورت سے وصول کرے جتنا اس نے عورت کو دیا ہے الجامع الصغیر کی ایک روایت میں ہے کہ دیئے ہوئے سے زیادہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ مذکورہ بالا آیت مطلق بیان ہے (یعنی فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ میں اضافہ وغیرہ کے نہ لینے کی کوئی شرط نہیں ہے)''۔(۱۰)

''اس صورت میں چونکہ غالب مصلحت عورت کی ہوتی ہے۔اس وجہ سے کمزور عنصر ہونے کے باوجود اس معاوضہ کو لینے کی اجازت دی گئی۔قرآن کے الفاظ سے اس خلع کے متعلق دو باتیں نمایاں ہوتی ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ اگر میاں بیوی آپس میں کوئی بات طے نہ کر سکیں۔تو عورت لازماً یہ معاملہ عدالت میں لے جا سکتی ہے اور عدالت خلع اور معاوضہ دونوں کا فیصلہ کرے گی۔اس کا ثبوت

فان خفتم الا یقیما حدود الله. (القرآن،۲:۲۲۹)

''سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے احکام پر قائم نہ رہ سکیں گے''۔

سے ملتا ہے۔اس میں خفتم کا خطاب ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ سے بحیثیت مجموعی ہے۔معاملات و نزاعات میں معاشرے کی مداخلت عدالت ہی کے واسطے سے ممکن ہے''۔(۱۱)

اسلامی اسکالر مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی اپنی کتاب ''اسلامی قانون'' میں کچھ اس انداز سے رقم طراز ہیں کہ:

''اگر شوہر خلع پر راضی نہ ہو اور عورت اس معاملہ کو عدالت میں لے جائے۔عدالت اگر یہ دیکھے کہ ان کی یکجائی ممکن نہیں ہے اور علیحدگی نہ ہونے کی صورت میں حدود اللہ کے ٹوٹنے کا خطرہ ہے تو وہ شوہر سے حکماً خلع کرا سکتی ہے اور بزور اپنے حکم کو منوا سکتی ہے اور شوہر نہ مانے تو فسخ نکاح کر سکتی ہے''۔(۱۲)

۲۔ ''دوسری یہ کہ خلع یا فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق عورت کو اسی صورت میں ہے۔جب یہ ثابت ہو سکے۔کہ ازدواجی زندگی میں جن حدود اللہ کا قیام مطلوب ہے۔مرد ان کو قائم رکھنے کے قابل نہیں یا ان کو قائم نہیں رکھنا چاہتا اور عورت کے لئے ان کے قیام کے بغیر حدود اللہ پر قائم رہنا ناممکن یا دشوار ہے۔اس کا ثبوت قرآن کی اس آیت

الا یقیما حدود الله. (القرآن،۲:۲۲۹)

''کہ وہ دونوں اللہ کے احکام پر قائم نہ رہ سکیں گے''۔

سے ملتا ہے۔اگر اختلاف محض ذوقی اور سطحی نوعیت کا ہے۔جس کو انگیز کیا جا سکتا ہے۔تو ایسی صورت میں عورت کو خلع یا فسخ نکاح کا مطالبہ لے کر نہیں اٹھنا چاہیئے۔اگر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی عورت کو یہ حق استعمال کرنے کی راہ کھول دی جائے تو اس سے خاندانی نظام کی چولیں ہل جائیں گی۔خاندان کے اس نظام ہی کو اسلام میں سیاسی نظام کی

بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ معاملے کی اس اہمیت کی وجہ سے خلع یا فسخ نکاح کے مطالبے کی شکل میں عدالت یہ دیکھے گی۔ کہ کیا فی الواقع صورت معاملہ ایسا ہے کہ فریقین کے لئے نباہ ناممکن یا دشوار ہے۔ جس کے تحت عورت نے فرد کو عدالت میں کھینچ بلایا ہے''۔(۱۳)

''اسلامی نظام زندگی میں انسانی جذبات اور فطری پسند وناپسند کا بھی خاطر خواہ لحاظ رکھا گیا ہے۔ جن پر خود انسان کو کوئی کنٹرول نہ ہو۔ بیوی کو بھی مجبور نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اپنی پوری زندگی ایک ایسے شخص کے ساتھ بسر کردے۔ جسے وہ پسند ہی نہیں کرتی اس سے طبعاً متنفر ہے۔ اور ساتھ ہی مرد کے حقوق کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ اس طبعی نفرت اور مزاج کی ناہمواری کے پیدا کرنے میں اسکا کوئی قصور نہیں ہے''۔(۱۴)

اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ اس میں جہاں عورت اور مرد کے تمام حقوق کی پاسداری کا خیال رکھا گیا ہے وہاں عورت کو اپنی پسند وناپسند کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق بھی دیا گیا ہے۔ اسے اس حق سے محروم نہیں رکھا گیا کہ اگر کسی وجہ سے شوہر اور بیوی کے تعلقات اس حد تک بگڑ جائیں کہ اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور دونوں ایک دوسرے کے لئے تکلیف اور اذیت کا باعث بن جائیں۔ تو ایسے میں خواہ عورت قصوروار ہو یا نہ ہو اور اگر وہ اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہ چاہتی ہو اور شوہر اپنی پوری کوشش کے باوجود رشتۂ ازدواج کو قائم رکھنے میں ناکام ہو جائے تو عورت کی مرضی کے مطابق اسے ''خلع'' معاوضہ کے عوض یا بغیر معاوضہ کے دے سکتا ہے اور اس کے لئے شوہر کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

''اور اگر نفرت ومخالفت مرد کی جانب سے ہو تو اسے عورت سے عوض مال لینا مکروہ ہے کیونکہ مرد نے اس عورت کو چھوڑ کر دوسری بیوی لانے کی وجہ سے اسے پریشان کر دیا ہے اب اس سے مال لے کر اس کی پریشانیوں میں مزید اضافہ نہ کرے''۔(۱۵)

خلع احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں:

احکاماتِ خلع:

عن ابن عباسؓ ان امراة ثابت بن قیس اتت النبي ﷺ فقالت یا رسول الله ثابت بن قیس ما اعیب علیه في خلق ولا دین و لکنی اکره الکفر فی الاسلام فقال رسول الله ﷺ اتردین علیه حدیقته قالت نعم قال رسول الله اقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة. (۱۶)

''ابن عباس نے کہا کہ ثابت بن قیس کی بیوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے ان کے (ثابت کے اخلاق اور دین کی وجہ سے ان سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ البتہ میں اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی۔ کیوں کہ ان کے ساتھ رہ کر ان کے حقوق زوجیت کو نہیں ادا کر سکتی) اس پر آنحضرت ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا۔ کیا تم ان کا باغ (جو انہوں نے مہر میں دیا) واپس کر سکتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں آنحضرت

ﷺ نے ثابتؓ سے فرمایا کہ باغ قبول کرلو اور انہیں طلاق دے دو''۔

بعض اوقات زوجین کے مابین ایسے مسائل پیدا ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے ازدواجی تعلقات میں تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں اول تو ہر ممکن کوشش کر کے ان تلخیوں کو دور کرنا چاہیئے لیکن اگر تلخیاں اس حد تک بڑھ جائیں کہ زوجین کا ایک دوسرے کیساتھ نباہ کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوجائے اور دونوں ایک دوسرے کیلئے تکلیف اور اذیت کا باعث بن جائیں، تو ایسی صورت میں جہاں اسلام مرد کو طلاق کا اختیار دیتا ہے تو وہاں عورت کو بھی خلع لینے کے حق سے محروم نہیں رکھتا۔

عن ابن عباس ان النبي ﷺ قال لاتسال المراة زوجها الطلاق في غير كنهه فتجدريح الجنة وان ريخها ليوجد من مسيرة اربعين عاما.(۱۷)

''ابن عباس فرماتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کوئی عورت بغیر مجبوری کے طلاق کی خواہش نہ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گی۔تو جنت کی خوش بو بھی نہ پا سکے گی۔اس کی خوش بو ۴۰ سال کے فاصلے تک محسوس کی جاتی ہے''۔

عورت کے لئے خلع جیسی اصطلاح استعمال کرنے کا حق ہمیشہ محفوظ ہے اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ نامناسب رویہ اور حقوق کی عدم ادائیگی کی وجہ سے علیحدہ ہونے کا شرعی حق رکھتی ہے یہ اور بات ہے کہ اگر مرد جبری طور پر اسے خلع کے حق سے بھی محروم رکھے مگر وہی قاضی اور عدالت ہے جنھیں حالات و واقعات کے تناظر میں درست اور صحیح فیصلہ دینے کا اختیار حاصل ہے۔

خلع اور طلاق میں فرق:

''خلع اس وقت بھی روا ہے جبکہ طلاق روا نہ ہو مثلاً ایام ماہواری یا حالتِ نفاس میں یا ایسے طہر میں جس میں مباشرت کی گئی ہو طلاق دینا منع ہے مگر خلع درست ہے،اس کے جائز ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به. (القرآن، ۲۲۹:۲)

''اگر یہ اندیشہ ہو کہ شوہر اور بیوی دونوں اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس میں کوئی ہرج نہیں کہ بیوی فدیہ دے کر علیحدگی اختیار کرلے''۔

طلاق بلا معاوضہ ہوتی ہے اور معاوضہ لے کر جو طلاق دی جاتی ہے اسے خلع کہتے ہیں۔بنیادی طور پر دونوں فعل مکروہ ہیں،صرف اسی وقت اجازت ہے جب اللہ کی مقرر کردہ حدود پر قائم رہنا ممکن نہ ہو۔علیحدگی ضروری نہ ہو تو طلاق حرام ہے،اسی طرح خلع بھی حرام ہے''۔(۱۸)

جن ایام میں طلاق دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ان ایام میں خلع دی جاسکتی ہے۔طلاق میں شوہر رقم کا مطالبہ

نہیں کرسکتا۔ بلکہ شوہر کو مالی قربانی مہر کی صورت میں دینی پڑتی ہے۔جبکہ خلع میں شوہر رقم کا مطالبہ کرسکتا ہے۔بغیر انتہائی ضرورت کے طلاق دینا اور خلع لینا دونوں حرام ہیں۔

خلع کے ارکان وشرائط:

''خلع کے پانچ رکن ہیں اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتو خلع نہیں ہوسکتا۔پہلا رکن مستلزم العوض ہے یعنی وہ شخص جو معاوضہ (زرخلع ادا کرنے کا ذمہ دار ہو خواہ خود بیوی ہو یا کوئی اور شخص۔دوسرا رکن بُضع ہے یعنی عورت کی عصمت جس سے نفع اٹھانے کا مالک اس کا شوہر ہوتا ہے، اگر یہ ملکیت ختم کردی گئی تو یہ رکن بھی موجود نہ ہوگا اور خلع درست نہیں رہے گا (یہ ملکیت طلاق بائن سے ختم ہوجاتی ہے)۔تیسرا رکن معاوضہ ہے یعنی وہ مال جو بیوی اپنی ازدواجی حیثیت (سے آزاد ہوجانے) کے عوض ادا کرے، چوتھا رکن شوہر ہے اور پانچواں رکن اس کا اپنی بیوی کی عصمت کا مالک ہونا ہے۔یہ خلع کے وہ لازمی اجزاء ہیں جن کی موجودگی کے بغیر خلع نہیں ہوسکتا''۔ (۱۹)

خلع طلاقِ بائن ہے فسخ عقد نہیں:

''خلع سے جو طلاق واقع ہوتی ہے وہ ان تین طلاقوں میں شمار ہوتی ہے جس کا مالک شوہر ہوتا ہے۔لہٰذا یہ فسخِ عقد نہیں ہے۔طلاق صریح الفاظ میں یا کنایہ سے عورت کو زوجیت سے خارج کردینے کا نام ہے، اسی میں خلع بھی داخل ہے چنانچہ طلاق کی جگہ خلع کا لفظ استعمال کیا جائے تو وہ بھی صریح طلاق ہوگا، مال کے عوض ہو تو بھی صریح طلاق ہے معاوضہ نہ ہو تو کنایہ ہوگا جس سے طلاق بائن پڑجاتی ہے''۔ (۲۰)

''خلع ایک طرح کا معاہدہ ہے جس میں شوہر نکاح سے حاصل ہونے والے اپنے اختیارات کسی طے شدہ بدل کے عوض ختم کردیتا ہے اس لئے یہ طلاق بائن کے حکم میں ہے اور چونکہ اس میں عوض زوجہ کو ادا کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کی رضامندی ضروری ہے۔خلع کی پیش کش (ایجاب) زوجین میں سے کسی کی طرف سے ہوسکتی ہے مثلاً شوہر کہے کہ میں نے مہر کے عوض تم کو خلع دیا، اور عورت کہے کہ میں نے قبول کیا۔یا عورت کہے کہ مجھے مہر کے عوض خلع دے دو، اور شوہر کہے کہ میں نے تجھے نکاح سے اس شرط پر علیحدہ کردیا کہ تو مجھے جملہ حقوق سے بری کردے، عورت کہے کہ میں نے تجھے بری کردیا اور کبھی طلاق کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، مثلاً زوج نے کہا کہ میں نے تجھے دو ہزار روپے کے عوض طلاق دی، اور زوجہ نے کہا میں نے قبول کیا خلع بلفظ خلع، خلع بلفظ مبارات، اور خلع بلفظ طلاق بالمال سب ہی شامل ہیں''۔ (۲۱)

Conclusion:

قرآن وحدیث اور دیگر کتب کے تحقیقی مطالعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جس طرح مرد کو اپنی خواہش سے طلاق دینے کی صورت میں مالی قربانی دینی پڑتی ہے۔اگر مہر ادا کرچکا ہے تو واپس نہیں لے سکتا اور اگر ادا نہیں کیا تو ادا کرنا پڑے گا۔بالکل اسی طرح اگر الگ رہنے کی خواہش عورت کی طرف سے ہو اور وہ خلع لینا چاہے تو اس کے لئے اسکو کچھ مالی قربانی یا اپنے حقوق سے دست بردار ہونا پڑے گا اور اگر شوہر اس پر راضی ہوجائے تو وہ ایسا کرسکتی ہے اور اگر باہمی

رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے تو عدالت سے رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ شرعاً یہ معاملہ قابلِ تسلیم ہے۔ بصورتِ دیگر اگر شوہر خلع پر راضی نہ ہو اور عورت اس معاملہ کو عدالت میں لے جائے اور عدالت اگر یہ دیکھے کہ ان کی یکجائی ممکن نہیں ہے تو شوہر سے حالات و واقعات کے تناظر میں حکماً خلع لینے کا اختیار ہے اور اگر شوہر نہ مانے تو عدالت فسخِ نکاح کر سکتی ہے۔ خلع شوہر کی مرضی سے ہو یا عدالت کے حکم و زور سے خلع ایک طلاق بائن کے حکم میں آتا ہے اور فریقین اگر چاہیں بھی تو دوبارہ اپنی مرضی سے نکاح نہیں کر سکتے۔

حوالہ جات

۱۔ مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، اسلامی قانون، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۹ء، ص ۹۳۔

۲۔ محمود شکری آلوسی، (مترجم) ڈاکٹر پیر محمد حسن، بلوغ الارب، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء، ص ۳۶۵، جلد دوم۔

۳۔ القرآن، ۲: ۲۲۹۔

۴۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، دہلی، ہندوستان پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص ۳۷۳، جلد اول۔

۵۔ مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۂ معارف، ۱۹۸۲ء، ص ۵۵۴، جلد اول۔

۶۔ سید فضل الرحمٰن، احسن البیان فی تفسیر القرآن، کراچی، زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، س ن، ص ۳۸۱، جلد اول۔

۷۔ غازی احمد، کتاب الطلاق، لاہور، المکتبۃ العلمیۃ، ۱۹۹۴ء، ص ۱۷۵۔

۸۔ حمید نسیم، تعارف الفرقان، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۴ء، ص ۲۶۰، جلد اول۔

۹۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، محولہ بالا، ص ۳۷۳، جلد اول۔

۱۰۔ غازی احمد، کتاب الطلاق، محولہ بالا، ص ۱۷۶۔

۱۱۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۸۶ء، ص ۵۳۵۔۵۳۶، جلد اول۔

۱۲۔ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی، اسلامی قانون، ص ۹۳۔۹۴۔

۱۳۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، محولہ بالا، ص ۵۳۵۔۵۳۶، جلد اول۔

۱۴۔ سید قطب شہید، فی ظلال القرآن، محولہ بالا، ص ۳۷۳۔۳۷۴، جلد اول۔

۱۵۔ غازی احمد، کتاب الطلاق، محولہ بالا، ص ۱۷۶۔

۱۶۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۴ء، ص ۹۹۱۔

۱۷۔ ابن ماجہ، عبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۸۔

۱۸۔ مولانا منہاج الدین مینائی، اسلامی فقہ، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، ۲۰۰۲ء، ص ۳۷۶۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۳۷۸۔۳۷۹۔ ۲۰۔ ایضاً، ص ۳۸۰۔۳۸۱۔

۲۱۔ مجاہد الاسلام قاسمی، اسلام کے عائلی قوانین، کراچی، ادارۃ القرآن، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۱۔۱۸۲۔

عصر حاضر کے معاشی نظاموں کے بارے میں
مولانا طاسین کا نقطہ نظر

حافظ محمد احمد
ریسرچ اسکالر، شعبہ علوم اسلامی، جامعہ کراچی

فصل اول: سرمایہ دارانہ نظام

آج کا دور چونکہ معاشیات واقتصادیات کا دور ہے۔ مشین کی ترقیات نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا ہے۔ نت نئی ایجادات نے تجارت، صنعت، معیشت کے میدانوں میں ان گنت انقلابات برپا کردیئے۔ مشین کی ترقی نے جہاں انسانی زندگی کو سہولتوں اور آسائشوں سے نوازا ہے۔ وہاں اس کے مفاسد اجارہ داری، استحصال، اور طبقات کی صورتوں میں سامنے آئے۔ اقوام کی مسابقت کا عمل اور ایک دوسرے کی اقتصادیات پر غلبے کی جدو جہد نے معاشرے کی کایا پلٹ دی اجارہ داریوں کے گٹھ جوڑ اور استحصالی ذہنیت نے سرمایہ دارانہ نظام کو جنم دیا۔ جس نے عالم انسانیت کی فطری ترقی میں رکاوٹیں ڈالنی شروع کردیں مولانا نے عالمی معاشی نظاموں کا اس تناظر میں نہایت باریک بینی سے مشاہدہ ومطالعہ کیا۔

مولانا محمد طاسین نے سرمایہ دارانہ نظام جن پہلوؤں سے تحقیقی جائزہ لیا۔ ان کو درج ذیل نکات میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیاد
۲۔ سرمایہ دارانہ نظام اور پیدائش دولت
۳۔ سرمایہ دارانہ نظام اور تقسیم دولت کا عمل

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام کی فکری بنیاد

کسی بھی معاشرے میں رائج اجتماعی نظام جو کہ سیاسی اور معاشی نظاموں پہ مشتمل ہوتا ہے، کسی نہ کسی فکر ونظریہ پہ مبنی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب معاشرے میں معاشی وسیاسی نظام قائم کئے جاتے ہیں تو ان کے وہی اثرات ونتائج دیکھنے کو ملتے ہیں جو کہ ان کی بنیادی فکر ونظریہ میں موجود ہوتے ہیں۔ یہی بنیادی فکر اور نظریہ ہوتا ہے جو کہ اس مخصوص